دینی مدارس کے مقاصد

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

ہمارے اسلاف واکابرین نے دینی مدارس اور جامعات کو صرف اس بنیاد پر قائم کیا تھا کہ یہاں آنے والوں کو قرآن وسنت کی صحیح معنوں میں تعلیم دے کر، ان کے اندر تقوی وللّہیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات اور اخلاق حسنہ کی اتباع کا جذبہ پیدا کر کے منصب نبوت کا حامل بنایا جائے۔ ان مدارس کی تاسیس کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ یہاں پڑھنے والوں میں مختلف علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کے ذریعہ قرآن وحدیث کے معانی ومفاہیم کو سمجھنے کی صلاحیت اوران کے احکامات کی اتباع کا عملی جذبہ پیدا کیا جائے۔ موجودہ دور میں مدارس اور دینی درس گاہوں کے قیام میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، طلباء کی تعداد پہلے دور کے مقابلہ میں حیرت انگیز طور پر بڑھتی چلی جارہی ہے، لیکن ان کے دل میں مدارس کے قیام کے بنیادی مقاصد کا استحضار نہیں ہوتا۔ پڑھنے اور پڑھانے والے صرف ونحو میں مہارت پیدا کرنے اور محض علمی تبحر کو دینی مدارس کا مقصد سمجھنے لگے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب مدارس میں اخلاقیات اور روحانی حوالے سے زندگی کے عملی پہلو پر توجہ مفقود ہوگئی۔ مقصد صرف کتاب پڑھانا ہی نہیں، بلکہ دین دار بنانا ہے، مدارس کا مقصد چونکہ صرف رجالِ دین پیدا کرنا ہے اس لیے رجالِ دین صرف وہی خیال کیے جائیں گے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن لے کر پوری دنیا میں پھیلائیں۔

علوم نبوت سیکھنے کا جذبہ تو ہر طالب علم میں موجود ہے، لیکن اخلاق نبوت سیکھنے کا جذبہ جس قدر ہونا چاہیے اس قدر نہیں۔ اس لیے اب معاشرے میں علماء کی وہ قدر ومنزلت اور وقعت باقی نہ رہی جو پہلے تھی، ظاہری اعمال اور باطنی خوبیوں میں انحطاط آ گیا ہے۔ ہمارے اکابرین تزکیۂ نفس اور اخلاق پر کس قدر توجہ دیتے تھے اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کی زندگی ہی میں ان کے قائم کردہ ادارہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں مدرس کی حیثیت سے ایک عرصہ رہا ہوں۔ حضرت بنوری ہمیشہ تکبیر اولی کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے اور نماز میں کوتاہی کرنے والے طلباء کو سزا دیتے تھے۔ اس زمانے میں دینی مدارس میں پڑھنے والوں کی تعداد محدود ہوتی، اتنی کہ پورے کراچی کے دورہ حدیث کے طلباء نیوٹاؤن کے دورہ حدیث میں آجاتے، موجودہ دور میں مدارس میں آنے والے طلباء کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے، لیکن ان کا ذوق اور وجدان اطاعت کے لیے آمادہ نہیں۔ صف اول میں نماز پڑھنے اور تکبیر اولی کا اہتمام کرنے والے چند طلباء ہی نظر آتے ہیں۔ ایک فرد ہی پوری اُمت کی

اصلاح کے لیے کافی ہے بشرطیکہ اصل مقصد کو پیش نظر رکھ کر تعلیم وتدریس کے ساتھ اخلاق، تزکیۂ نفس اور معرفت الٰہی پر بھی توجہ دی جائے۔ اگر تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی طرف توجہ نہ دی جائے تو مشکوۃ شریف کو بار ہا پڑھنا بھی بے سود ہے۔ ایک مرتبہ شیخ ابوالبرکات نے کہا کہ ''بوعلی سینا اخلاق ندارد'' بوعلی سینا نے غیرت میں آ کر اخلاق پر ایک ضخیم کتاب لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کی۔ شیخ ابوالبرکات نے کہا کہ میں نے کب کہا ہے کہ ''اخلاق نداند'' میں نے تو کہا تھا کہ ''اخلاق ندارد''

حافظ ابن حجر بہت بڑے عالم تھے، انھیں ان کے حیرت انگیز علمی تبحر کی بناء پر ''حافظ الدنیا'' کا لقب ملا۔ انھوں نے اپنے وقت کے بزرگ عالم دین ابن فارض احمد رحمہ اللہ کے اشعار کی شرح لکھ کر، تصدیق کے لیے کسی عالم کی خدمت میں پیش کی۔ ابن حجر رحمہ اللہ کا منشا یہ تھا کہ شرح اشعار میں جہاں ان سے فروگذاشت ہوئی ہو، وہ اس کی اصلاح فرمائیں گے۔ بہرحال مسودہ پر نظر ڈالنے کے بعد اس بزرگ عالم دین نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو ایک شعر لکھ بھیجا:

سارت مشرقة و سرت مغربا　　　شتان بین مشرق ومغرب

یعنی محبوبہ مشرق کی طرف گئی اور آپ مغرب کی طرف جا رہے ہیں اور مشرق ومغرب کے درمیان تو بڑا فاصلہ ہے۔

حافظ ابن حجر باریک بین اور نکتہ سنج عالم تھے، بات کی تہہ تک پہنچ گئے، اس شعر سے انھیں تنبیہ ہوئی اور اس بزرگ کی خانقاہ میں حاضر ہو کر کچھ عرصہ رہ کر اپنی اصلاحی کرائی۔

دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا رفیع الدین لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، تحریر دوسروں سے پڑھوا کر سنتے اور پھر اس پر اپنے نام کی مہر ثبت کر دیتے۔ مولانا قاسم نانوتویؒ نے جب انھیں دار العلوم دیوبند کا مہتمم مقرر کیا تو انھوں نے معذرت کی کہ اہتمام سے متعلق امور کو سرانجام دینے کے لیے لکھا پڑھا ہونا ضروری ہے، میں فرائض اہتمام کو کیسے سرانجام دوں گا؟ اس پر حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ اہتمام کے لیے لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں، ضرورت باطنِ صالح کی ہے۔ یہاں ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے جو اصلاح باطن سے متصف ہو۔

مولانا رفیع الدین دل کے صاف اور باطن کے صالح تھے۔ ان کے زمانۂ اہتمام میں ایک طالب علم نے مطبخ سے جو کھانا لیا تھا، ناظم مطبخ کے سامنے یہ کہہ کر گرا دیا کہ یہ شوربہ ہے یا پانی؟!!! اس کے ساتھ کچھ توہین آمیز الفاظ بھی کہے، مولانا رفیع الدین کو اطلاع دی گئی تو انھوں نے اس طالب علم کو طلب کر کے غور سے دیکھنے کے بعد فرمایا کہ یہ دار العلوم کا طالب علم نہیں۔ لوگوں نے کہا، یہیں کا طالب ہے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا تو مہتمم صاحب کی بات درست ثابت ہوئی۔ دراصل وہ جامعہ ہی کے کسی طالب علم کا نام لے کر مطبخ سے سالن لیا کرتا تھا۔ دریافت کیا گیا کہ آپ پر حقیقت حال کس طرح منکشف ہوئی؟ فرمایا میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مولسری کے احاطہ میں واقع کنویں پر تشریف فرما دیکھا کہ اس کنویں سے دودھ برآمد ہو رہا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اسے تقسیم کر رہے ہیں، کچھ طلباء ہاتھ میں لے کر اپنے حصہ کا دودھ لے رہے ہیں، کچھ بالٹی یا گلاس بھر کر اپنا حصہ پا کر واپس ہو جاتے ہیں، میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طلباء میں دودھ تقسیم کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ لیکن یہ طالب علم ان میں موجود نہیں تھا۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اصل جوہر تقویٰ اور للّٰہیت ہے اور یہی شریعت کا خلاصہ ہے۔ اس دنیا میں دین کی اشاعت کا بیڑا انہیں مدارس نے اٹھایا ہے، اگر تبلیغ دین کے لیے ان مدارس سے ایسے رجال کار میسر نہ ہوں جو باطنی نقص سے پاک ہوں، تو پھر دین کی اشاعت کیوں کر ممکن ہوگی؟ یہاں مدارس میں چند نفوس آتے ہیں اگر یہ رجالِ دین بن کر نہ نکلیں اور ان کی اصلاح نفس کا سامان نہ ہو تو دین کی اشاعت کا سلسلہ آخر کس طرح صحیح خطوط پر چلے گا؟ رجالِ دین بننے کے لیے شریعت کی پابندی شرط ہے۔ انبیاء ورسل علیہم السلام نے بھی پابندِ شریعت رہ کر زندگی گزاری، یہی نجات وفلاح کا ذریعہ ہے۔ اپنے اندر طلب پیدا کرنے کی ضرورت ہے، طلب علم کی زندگی نہایت قیمتی ہے، طلباء کو اپنی قدر وقیمت کا احساس ہونا چاہیے۔ انھیں چاہیے کہ اپنے اندر تقویٰ اور اتباع شریعت کا جذبہ پیدا کریں۔ اگر علم میں کمال ہو، لیکن عمل میں نقصان اور کوتاہی ہو تو ایسا کمالِ علم سوائے وبال کے کچھ نہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ اکثر دارالعلوم کراچی میں طلبہ سے فرمایا کرتے کہ ہمیں ایسے طلباء کی قطعی ضرورت نہیں جو شروح وحواشی کے حافظ ہوں، ہمیں قرآن وحدیث کا صحیح فہم رکھنے والے متقی اور پرہیز گار طلبا کی ضرورت ہے۔

انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندوں کا تعلق قائم کر کے اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی تعلیم دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت بھی یہی تھا۔ آپ کی وفات کے بعد اس مقصد کے وارث علماء امت قرار پائے کہ وہ انسانوں کی اصلاح کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا فریضہ اور آپ کی وراثت کا حق ادا کریں۔ اس لیے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ وارث اپنے مورث کی چھوڑی ہوئی تمام اشیاء میں شریک ہوتا ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے دیکھا جائے تو علماء اسی صورت میں انبیاء کے وارث قرار پائیں گے جب وہ اپنے کردار، اپنے عقیدہ، اپنے ظاہر وباطن اور اپنی عادات وصفات میں انبیاء کی اتباع کریں۔ اگر کوئی عالم انبیاء علیہم السلام کے نقشِ قدم پر نہیں چلتا، تو وہ قطعاً وراثتِ نبوت کا حق دار نہیں۔

ہمارے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے بیشتر طلباء کا مطمح نظر منصب نبوت کا حصول ہوتا ہے، منصب نبوت نہایت جلیل القدر منصب ہے، اسے حاصل کرنا چاہیے، لیکن اس منصب کے تحمل کے تقاضوں پر بھی عمل کی ضرورت ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے، جب مدارس کے اربابِ اہتمام، اساتذہ اور منتظمین، تعلیم کے ساتھ طلباء کی تربیت پر بھی توجہ دیں۔ وعظ ونصیحت کے ذریعے اس منصب کی اہمیت وافادیت اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کا جذبہ اور احساس پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ اس منصب کے حاملین کو اس کی قدر وقیمت کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وصحبه أجمعین